© rasailojaraid.com



ابراہیم فیضی، پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید نعمانی، پروفیسر ڈاکٹر جنید صغیر صدیقی، ڈاکٹر محبوب افضل جاوید، ڈاکٹر تاج محمد، پروفیسر محمد صادق، پروفیسر حبیب الرحمٰن، پروفیسر حافظ نذر محمد، ڈاکٹر ضیاء الدین ہیروی، شاکر حسین خان اور مسز زینت جی محمد کے علاوہ متعدد اہل علم اور طلباء نے شرکت کی۔

دوسری ماہانہ فکری نشست (منعقدہ ۵ مارچ ۲۰۰۶ء) سے مجلس التفسیر کے سربراہ اور سہ ماہی التفسیر کے مدیر اعلیٰ ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج نے ''توہین رسالت پر مسلمانوں کا ردِ عمل اور مستقبل کا لائحہ عمل'' کے عنوان سے لتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا وان تصبروا و تتقوا فان ذلک من عزم الامور. (آل عمران/۱۸۶) کی روشنی میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ توہین رسالت کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ قرآن کریم میں متعدد آیات ہیں جن میں آپ ﷺ کو ایذا دینے کا ذکر آیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ آیت کریمہ کی روشنی میں کہا کہ صبر، استقامت وجدوجہد کا نام ہے اور تتقوا سے مراد وفاع ہے۔ آیت کے مطابق دشمنوں کی جانب سے تکلیف دہ اور دل آزار باتیں سننے کے بعد پوری ہوشمندی، دانائی اور بہادری کے ساتھ ''صبر وتقویٰ'' کے اسلحہ سے لیس ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنا ہے۔ کیونکہ یہی امور ہمارے استحکام کا سبب ہوں گے۔

حال ہی میں شائع ہونے والے توہین آمیز خاکے کسی بڑے خطرے کا پیش خیمہ معلوم ہوتے ہیں۔ جن کا مقصد OIC کو بمقابلہ یورپی یونین لانا اور یورپی ممالک میں موجود ۵۰ لاکھ مسلمانوں کے لیے مشکلات پیدا کرنا ہے۔ آپ نے کہا کہ یہ مسلمانوں کے لیے ایک ٹیسٹ کیس ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد ﷺ کو اس کے بدن سے نکال دو

یہ روح محمد ﷺ کو بدن سے نکال دینے کی سازش ہے۔ کیونکہ اس دور زوال میں بھی مسلمان اپنی تمام تر بے عملی کے باوجود عشق محمد ﷺ کی شمع اپنے سینوں میں فروزاں رکھتے ہیں کہ یہی ان کی متاع حیات ہے۔ اس سازش سے نپٹنے کے لیے مسلمانوں کو اپنی حقیقت، حیثیت اور صلاحیت کے مطابق کوئی مستقل اور مضبوط لائحہ عمل تیار کرنا ہوگا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے: رنگ خیال۔ صفحہ ۵)

نشست کے اختتام پر حسب معمول سوال جواب کی نشست ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے لوگوں کے سوالات کے جوابات دیے۔ توہین رسالت کے حوالے سے لوگوں نے اپنے جذبات واحساسات کا اظہار بھی کیا۔

.........................................................



## ایک اقتباس

دورِ جدید میں عالم اسلام میں مطالعہ قرآن کو جو مرکزی اہمیت حاصل ہوئی، اس نے مختلف ملکوں کے ہم خیال علماء میں رابطے بڑھائے۔ ان کوششوں میں برصغیر بہت اہم کڑی تھی۔ قرآن فہمی کی اس تحریک کا بنیادی اصول یہ تھا کہ قرآن کریم کو الگ الگ ٹکڑوں کی بجائے کل کی حیثیت سے پڑھا جائے۔ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے۔ قرآن فہمی میں روایت کی پابندی کی وجہ سے قرآن کے معانی اس دور کی قرآن فہمی میں محدود ہو کر رہ جاتے ہیں، جس میں وہ روایت تشکیل پائی ہے۔ اس طرز فکر کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ روایت ان معانی کو اصل معانی کا درجہ دیتی ہے اور عقیدے کی حد تک یہ تقاضا کرتی ہے کہ عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہ میں بھی یہی معنی لیے جاتے تھے۔ اس کی ایک مثال مسلم اور مومن اور مسلم اور کافر کے معانی کا تعین ہے۔ قرآن کریم میں بھی مسلم اور مومن کو ایمان کے دو مدارج کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ مسلم اور کافر میں فرق بیان کرتے ہوئے قرآن کریم نے کافر کی بنیادی خرابی یہ بتائی کہ کافر خدا کا شکر گزار نہیں ہوتا، وہ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسانات کا انکار کر کے کفران نعمت کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں مسلم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کا احسان مند اور شکر گزار رہتا ہے۔ اسی احسان مندی سے ایمان جنم لیتا ہے۔ روایت نے ان معانی کو علم الکلام اور عقائد کی باریکیوں میں دیکھا تو مسلم اور کافر کے بنیادی معنوں کی جگہ جن میں انسانی رویے اور کردار پر زور تھا، ثانوی معنی پر زور دیتے ہوئے کفر کو عقیدہ اور کلام کا موضوع بنا دیا۔ کافر کا مطلب بے ایمان اور بے دین قرار دیا، بلکہ ہر وہ شخص جو مسلمان نہ ہو کافر کہلایا۔ یہ روایتی معنی غلط نہیں، لیکن اس کی وجہ سے کفر کا ناشکرے پن کا مفہوم کلی طور پر اوجھل ہو گیا۔

دینی اخلاقیات کے قرآنی مفاہیم از ڈاکٹر محمد خالد مسعود



© rasailojaraid.com